فتحِ مکہ رحمۃ اللعالمین نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کی رحمت کا سنہرا باب

خطبہ جمعۃ المبارک

ہفت روزہ

پیشکش

ادارہ ضیاءِ مدینہ

مدیر: مفتی محمد سیف اللہ باروی

معاون: حافظ احمد فرحان سعیدی

واٹس اپ نمبر: 0345-6419442

f/ BarviIslamicinfo

فتحِ مکہ رحمۃ اللعالمین نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت کا سنہرا باب

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِالْاَنْبِیَاءِ وَ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم ط بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم "اِ ذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَ الْفَتْحُ ﴿۱﴾ وَ رَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا ﴿۲﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَ اسْتَغْفِرْہُ اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا ﴿۳﴾"

(سورۃ النصر، الآیۃ: 1 / 3)

ترجمہ کنزالایمان: جب اللہ کی مدد اور فتح آئے۔ اور لوگوں کو تم دیکھو کہ اللہ کے دین میں فوج فوج داخل ہوتے ہیں۔ تو اپنے رب کی ثناء کرتے ہوئے اس کی پاکی بولو اور اس سے بخشش چاہو بیشک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔

اس سورت کا خلاصہ یہ ہے کہ اے حبیب !صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہ وسلم جب آپ کے دشمنوں کے خلاف آپ کے پاس اللہ تعالیٰ کی مدد اور فتح آئے اور تم لوگوں کو دیکھو کہ پہلے وہ ایک ایک دودو کر کے اسلام میں داخل ہو رہے تھے اور اب وہ اللہ تعالیٰ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں تو اس وقت اپنے رب اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتے ہوئے اس کی پاکی بیان کرنا اور اس سے اپنی امت کے لئے بخشش چاہنا، بیشک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔ یاد رہے کہ اس آیت میں فتح سے اسلام کی عام فتوحات مراد ہیں یا خاص فتحِ مکہ مراد ہے۔

(تفسیرِ خازن، سورۃ النّصر، تحت الآیۃ: 1 / 3)

20 رمضان 8ھ تاریخِ نبوت کا نہایت ہی عظیم الشان دن ہے اور سیرتِ نبویّہ کا یہ وہ سنہرا باب ہے کہ جس کی آب و تاب سے ہر مومن کا قلب قیامت تک مسرتوں کا آفتاب بنا رہے گا کیونکہ تاجدار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس تاریخ سے آٹھ سال

قبل انتہائی رنجیدگی کے عالم میں اپنے یار غار کو ساتھ لے کر رات کی تاریکی میں مکہ سے ہجرت فرماکر اپنے وطن عزیز کو خیرباد کہہ دیا تھااور مکہ سے نکلتے وقت خدا کے مقدس گھر خانہ کعبہ پر ایک حسرت بھری نگاہ ڈال کر یہ فرماتے ہوئے مدینہ روانہ ہوئے تھے کہ اے مکہ !خدا کی قسم !تو میری نگاہ محبت میں دنیا کے تمام شہروں سے زیادہ پیارا ہے اگر میری قوم مجھے نہ نکالتی تو میں ہر گز تجھے نہ چھوڑتا۔ لیکن آٹھ برس کے بعد یہی وہ مسرت خیز تاریخ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک فاتح اعظم کی شان و شوکت کے ساتھ اسی شہر مکہ میں نزول اجلال فرمایااور کعبۃ اللہ میں داخل ہوکر اپنے سجدوں کے جمال و جلال سے خدا کے مقدس گھر کی عظمت کو سرفراز فرمایا۔(سیرت مصطفی، ص:411)

فتح مکہ کا سبب:

6ہجری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مع اپنے صحابہ کرام کے عمرہ کا قصد فرمایااور قریش مکہ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ

علیہ واٰلہ وسلم کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیا اور مقام حدیبیہ میں ان سے صلح ہوئی۔ اس صلح کی میعاد روح المعانی کی نقل کے مطابق دس سال کی تھی۔ مکہ میں علاوہ قریش کے دوسرے قبائل بھی تھے معاہدہ صلح کی ایک دفعہ یہ بھی رکھی گئی کہ قریش کے علاوہ دوسرے قبائل میں جس کا جی چاہے وہ قریش کا حلیف اور ساتھی بن جائے اور جس کا جی چاہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلیف ہو کر آپ کے ساتھ ہو جائے۔ چناچہ قبیلہ خزاعہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلیف بننا پسند کیا اور آپ کے ساتھ ہو گئے اور قبیلہ بنی بکر نے قریش کے ساتھ ہونا اختیار کر لیا۔ اس معاہدہ کی رو سے یہ لازمی تھا کہ دس سال کے اندر نہ باہمی جنگ ہو گی نہ کسی جنگ کرنے والے کو کسی جانب سے کوئی مدد دی جائے گی اور جو قبیلہ کسی فریق کا حلیف ہے وہ بھی اسی کے حکم میں سمجھا جائے گا کہ اس پر حملہ کرنا یا حملہ آور کو مدد دینا معاہدہ کی خلاف ورزی سمجھا جائے گا۔

یہ معاہدہ 6 ہجری میں ہوا 7 ہجری میں معاہدہ کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مع صحابہ کرام کے فوت شدہ عمرہ کی قضاء کرنے کے لئے مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور تین روز قیام کر کے حسب معاہدہ واپس تشریف لے آئے۔ اس وقت تک کسی فریق کی طرف سے معاہدۂ صلح کی کوئی خلاف ورزی نہیں کی گئی تھی۔

اس کے بعد پانچ چھ ماہ گزرے تھے کہ قبیلہ بنی بکر نے قبیلہ خزاعہ پر رات کے وقت چھاپہ مارا اور قریش نے بھی یہ سمجھ کر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت دور ہیں اور رات کا وقت ہے آپ تک واقعہ کی تفصیلات پہنچنا مشکل ہے اس حملہ میں بنی بکر کو ہتھیاروں اور اپنے جوانوں سے امداد دی۔ ان واقعات اور حالات کے مطابق جن کو بالآخر قریش نے بھی تسلیم کر لیا بالآخر وہ معاہدۂ صلح ٹوٹ گیا جو حدیبیہ میں دس سال کے التواء جنگ کا ہوا تھا۔

قبیلہ خزاعہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حلیف تھے انہوں نے اس واقعہ کی اطلاع آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو

دے دی، تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو تسلی دی اور فرمایا کہ مت گھبراؤ میں تمہاری امداد کے لئے تیار ہوں۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی امن پسندی:

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قریش کے پاس قاصد بھیجا اور تین شرطیں پیش فرمائیں کہ ان میں سے کوئی ایک شرط قریش مکہ منظور کرلیں:

(1) بنی خزاعہ کے مقتولوں کا خون بہادیا جائے۔

(2) قریش قبیلہ بنی بکر کی حمایت سے الگ ہو جائیں۔

(3) اعلان کر دیا جائے کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔

جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قاصد نے ان شرطوں کو قریش کے سامنے رکھا تو قرطہ بن عبدِ عمر نے قریش کا نمائندہ بن کر جواب دیا کہ "نہ ہم مقتولوں کے خون کا معاوضہ دیں گے نہ اپنے حلیف قبیلہ بنی بکر کی حمایت چھوڑیں گے۔ ہاں تیسری شرط ہمیں منظور ہے اور ہم اعلان کرتے ہیں کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ

گیا۔"لیکن قاصد کے چلے جانے کے بعد قریش کو اپنے اس جواب پر ندامت ہوئی۔ چنانچہ چند رؤسائے قریش ابوسفیان کے پاس گئے اور یہ کہا کہ اگر یہ معاملہ نہ سلجھا تو پھر سمجھ لو کہ یقیناحضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم پر حملہ کر دیں گے۔ابوسفیان نے کہا کہ میری بیوی ہند بنت عتبہ نے ایک خواب دیکھا ہے کہ مقام "حجون" سے مقام "خندمہ "تک ایک خون کی نہر بہتی ہوئی آئی ہے، پھر ناگہاں وہ خون غائب ہو گیا۔ قریش نے اس خواب کو بہت ہی منحوس سمجھا اور خوف و دہشت سے سہم گئے اور ابوسفیان پر بہت زیادہ دباؤ ڈالا کہ وہ فوراً مدینہ جا کر معاہدہ حدیبیہ کی تجدید کرے۔

(المواھب اللدنیۃ مع شرح الزرقانی، باب غزوۃ الفتح الاعظم، ج:3،، ص:384)

ابوسفیان اور رؤسا قریش کی جانب سے تجدیدِ معاہدہ کی کوشش:

قریش کو بدر و اُحُد اور احزاب کے معرکوں میں مسلمانوں کی غیبی اور ربانی طاقت کا اندازہ ہو کر اپنی قوت و طاقت کا نشہ اتر چکا تھا

اس وقت عہد شکنی کرنے کے بعد مسلمانوں کی طرف سے جنگ کا خطرہ تو پیدا ہو ہی چکا تھا۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع پہنچنے کے بعد مکمل خاموشی سے یہ خطرہ اور زیادہ قوی ہو گیا۔ مجبور ہو کر ابو سفیان کو مدینہ بھیجا کہ وہ خود جا کر حالات کا اندازہ لگائیں اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے جنگ کی تحریک کا اندازہ ہو تو پچھلے واقعہ پر عذر و معذرت کر کے آئندہ کے لئے تجدید معاہدہ کر لیں۔ ابو سفیان اکابر صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین میں سے ایک ایک کے پاس گئے کہ وہ سفارش کر کے معاہدہ کی تجدید کرا دیں مگر سب نے ان کے سابقہ اور لاحقہ تلخ معاملات کے سبب انکار کر دیا اور ابو سفیان ناکام واپس آئے اور قریش مکہ پر خوف و ہراس طاری ہو گیا۔

(المواھب اللدنیۃ مع شرح الزرقانی، باب غزوۃ الفتح الاعظم، ج:3، ص:385/386)

جنگ کی تیاری:

اس کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لوگوں کو جنگ کی تیاری کا حکم دے دیا اور حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی فرمادیا کہ جنگ کے ہتھیار درست کریں اور اپنے حلیف قبائل کو بھی جنگی تیاریوں کے لئے حکم نامہ بھیج دیا۔ مگر کسی کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ نہیں بتایا کہ کس سے جنگ کا ارادہ ہے؟ یہاں تک کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی آپ نے کچھ نہیں فرمایا۔ چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئے اور دیکھا کہ وہ جنگی ہتھیاروں کو نکال رہی ہیں تو آپ نے دریافت کیا کہ کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے؟ عرض کیا: "جی ہاں" پھر آپ نے پوچھا کہ کیا تمہیں کچھ معلوم ہے کہ کہاں کا ارادہ ہے؟ حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ "واللہ! مجھے یہ معلوم نہیں۔

(المواھب اللدنیۃ مع شرح الزرقانی،باب غزوۃ الفتح الاعظم،ج:3،ص:381/382)

غرض انتہائی خاموشی اور رازداری کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جنگ کی تیاری فرمائی اور مقصد یہ تھا کہ اہل مکہ کو خبر نہ ہونے پائے اور اچانک ان پر حملہ کر دیا جائے۔

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خط:

بنی ہاشم کے خاندان کی ایک باندی سارہ مدینہ طیّبہ میں سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حضور میں حاضر ہوئی جب کہ حضور فتحِ مکہ کا سامان فرمارہے تھے حضور نے اس سے فرمایا کیا تو مسلمان ہو کر آئی؟ اس نے کہا نہیں، فرمایا کیا ہجرت کر کے آئی؟ عرض کیا نہیں فرمایا پھر کیوں آئی؟ اس نے کہا محتاجی سے تنگ ہو کر،بنی عبد المطلب نے اس کی امداد کی ، کپڑے بنائے ، سامان دیا۔ حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سے ملے انہوں نے اس کو دس دینار دیئے ایک چادر دی اور ایک خط اہلِ مکہ کے پاس اس کی معرفت بھیجا جس کا مضمون یہ تھا

کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم پر حملہ کا ارادہ رکھتے ہیں تم سے اپنے بچاؤ کی جو تدبیر ہو سکے کرو۔

سارہ یہ خط لے کر روانہ ہو گئی اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو اس کی خبر دی حضور نے اپنے چند اصحاب کو جن میں حضرت علیِ مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے گھوڑوں پر روانہ کیا اور فرمایا مقامِ روضہ خاخ پر تمہیں ایک مسافر عورت ملے گی اس کے پاس حاطب بن ابی بلتعہ کا خط ہے جو اہلِ مکہ کے نام لکھا گیا ہے وہ خط اس سے لے لو اور اس کو چھوڑ دو اگر انکار کرے تو اس کی گردن مار دو یہ حضرات روانہ ہوئے اور عورت کو ٹھیک اسی مقام پر پایا جہاں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا اس سے خط مانگا وہ انکار کر گئی اور قَسم کھا گئی صحابہ نے واپسی کا قصد کیا حضرت علیِ مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بقسم فرمایا کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خبر خلاف ہو ہی نہیں سکتی اور تلوار کھینچ کر عورت سے فرمایا یا خط نکال یا

گردن رکھ جب اس نے دیکھا کہ حضرت بالکل آمادۂ قتل ہیں تو اپنے جوڑے میں سے خط نکالا۔

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بُلا کر فرمایا کہ اے حاطب اس کا کیا باعث ؟ انہوں نے عرض کیا یارسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں جب سے اسلام لایا کبھی میں نے کفر نہیں کیا اور جب سے حضور کی نیاز مندی میسّر آئی کبھی حضور کی خیانت نہ کی اور جب سے اہلِ مکہ کو چھوڑا کبھی ان کی محبت نہ آئی لیکن واقعہ یہ ہے کہ میں قریش میں رہتا تھا اور انکی قوم سے نہ تھا میرے سوائے اور جو مہاجرین ہیں ان کے مکہ مکرمہ میں رشتہ دار ہیں جو ان کے گھر بار کی نگرانی کرتے ہیں مجھے اپنے گھر والوں کا اندیشہ تھا اسلئے میں نے یہ چاہا کہ میں اہلِ مکہ پر کچھ احسان رکھ دوں تاکہ وہ میرے گھر والوں کو نہ ستائیں اور یہ میں یقین سے جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اہلِ مکہ پر عذاب نازل فرمانے والا ہے میرا خط انہیں بچا نہ سکے گا۔

سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا یہ عذر قبول فرمایا اور ان کی تصدیق کی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مجھے اجازت دیجئے اس منافق کی گردن ماردوں حضور نے فرمایا اے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ تعالیٰ خبر دار ہے جب ہی اس نے اہلِ بدر کے حق میں فرمایا کہ جو چاہو کرو میں نے تمہیں بخش دیا یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آنسو جاری ہوگئے اور یہ آیات نازل ہوئیں۔

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَ عَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَ قَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ یُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَ اِیَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ؕ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِیْ سَبِیْلِیْ وَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِیْ ۖۗ تُسِرُّوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ۖۗ وَ اَنَا اَعْلَمُ بِمَاۤ اَخْفَیْتُمْ وَ مَاۤ اَعْلَنْتُمْ ؕ وَ مَنْ یَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ ۝۱"(سورۃ الممتحنہ، الآیۃ:1)

ترجمہ کنزالایمان: اے ایمان والو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ تم انہیں خبریں پہنچاتے ہو دوستی سے حالانکہ وہ منکِر ہیں اس حق کے جو تمہارے پاس آیا گھر سے جدا کرتے ہیں رسول کو اور تمہیں اس پر کہ تم اپنے رب اللہ پر ایمان لائے اگر تم نکلے ہو میری راہ میں جہاد کرنے اور میری رضا چاہنے کو تو ان سے دوستی نہ کرو تم انہیں خفیہ پیام محبّت کا بھیجتے ہو اور میں خوب جانتا ہوں جو تم چھپاؤ اور جو ظاہر کرو اور تم میں جو ایسا کرے بیشک وہ سیدھی راہ سے بہکا۔

(خزائن العرفان، سورۃ الممتحنہ، تحت الآیۃ:1)

مدینہ منورہ سے لشکر کی روانگی:

غرض 10 رمضان 8ھ کو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے دس ہزار کا لشکرِ جرّار لے کر مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ فتح مکہ میں آپ کے ساتھ بارہ ہزار کا لشکر تھا ان دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ مدینہ سے روانگی کے وقت دس ہزار کا لشکر رہا ہو۔ پھر راستہ میں

بعض قبائل اس لشکر میں شامل ہو گئے ہوں تو مکہ پہنچ کر اس لشکر کی تعداد بارہ ہزار ہو گئی ہو۔ بہر حال مدینہ سے چلتے وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور تمام صحابہ کبار رضی اللہ تعالیٰ عنہم روزہ دار تھے جب آپ "مقام کدید" میں پہنچے تو پانی مانگا اور اپنی سواری پر بیٹھے ہوئے پورے لشکر کو دکھا کر آپ نے دن میں پانی نوش فرمایا اور سب کو روزہ چھوڑ دینے کا حکم دیا۔ چنانچہ آپ اور آپ کے اصحاب نے سفر اور جہاد میں ہونے کی وجہ سے روزہ رکھنا موقوف کر دیا۔

(صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الفتح، الحدیث:4274)

(المواہب اللدنیۃ مع شرح الزرقانی، باب غزوۃ الفتح الاعظم، ج:3، ص::395/397)

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات:

جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مقام "جحفہ" میں پہنچے تو وہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ خدمت اقدس میں حاضر

ہوئے۔ یہ مسلمان ہو کر آئے تھے بلکہ اس سے بہت پہلے مسلمان ہو چکے تھے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مرضی سے مکہ میں مقیم تھے اور حجاج کو زمزم پلانے کے معزز عہدہ پر فائز تھے اور آپ کے ساتھ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا حارث بن عبدالمطلب کے فرزند جن کا نام بھی ابوسفیان تھا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی عبداللہ بن ابی امیہ جو اُم المؤمنین حضرت بی بی اُمِ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سوتیلے بھائی بھی تھے بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے ان دونوں صاحبوں کی حاضری کا حال جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ نے ان دونوں صاحبوں کی ملاقات سے انکار فرما دیا۔ کیونکہ ان دونوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بہت زیادہ ایذائیں پہنچائی تھیں۔

لیکن بعد میں حضرت ام المؤمنین سیدہ امِ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بارگاہ رسالت میں آبدیدہ ہو کر عرض کیا کہ یارسول اللہ !عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیا آپ کے چچا کا بیٹا اور آپ کی

پھوپھی کا بیٹا تمام انسانوں سے زیادہ بدنصیب رہے گا؟ کیا ان دونوں کو آپ کی رحمت سے کوئی حصہ نہیں ملے گا؟ جان قربان کرنے والی زوجہ محترمہ کے ان درد بھرے کلمات سے رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رحمت بھرے دل میں رحم وکرم اور عفو ودرگزر کے سمندر موجیں مارنے لگے۔ پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان دونوں کو یہ مشورہ دیا کہ تم دونوں اچانک بارگاہ رسالت میں سامنے جاکر کھڑے ہو جاؤ اور جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کہا تھا وہی تم دونوں بھی کہو:

"قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ ﴿٩١﴾ "یعنی، یقینا آپ کو اللہ تعالیٰ نے ہم پر فضیلت دی ہے اور ہم بلاشبہ خطاوار ہیں۔

چنانچہ ان دونوں صاحبوں نے دربار رسالت میں اچانک حاضر ہو کر یہی کہا۔ ایک دم رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جبینِ رحمت پر رحم وکرم کے ستارے چمکنے لگے اور آپ نے ان کے

جواب میں بعینہ وہی جملہ اپنی زبانِ رحمت نشان سے ارشاد فرمایا جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کے جواب میں فرمایا تھا:

"قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۫ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۹۲﴾

"یعنی آج تم سے کوئی مواخذہ نہیں ہے اللہ تمہیں بخش دے۔ وہ ارحم الراحمین ہے۔ اور آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہ وسلم نے ان دونوں کو معاف فرمادیا۔

کئی میلوں تک آگ ہی آگ:

مکہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر "مرالظہران" میں پہنچ کر اسلامی لشکر نے پڑاؤ ڈالا اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فوج کو حکم دیا کہ ہر مجاہد اپنا الگ الگ چولہا جلائے۔ دس ہزار مجاہدین نے جو الگ الگ چولہے جلائے تو "مرالظہران" کے پورے میدان میں میلوں تک آگ ہی آگ نظر آنے لگی۔

(المواھب اللدنیۃ وشرح الزرقانی، باب غزوۃ الفتح الاعظم، ج۳، ص۴۰۳)

قریش کے جاسوس:

اگرچہ قریش کو معلوم ہی ہو چکا تھا کہ مدینہ سے فوجیں آرہی ہیں۔ مگر صورت حال کی تحقیق کے لئے قریش نے ابوسفیان بن حرب، حکیم بن حزام و بدیل بن ورقاء کو اپنا جاسوس بنا کر بھیجا۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے حد فکر مند ہو کر قریش کے انجام پر افسوس کر رہے تھے۔ وہ یہ سوچتے تھے کہ اگر رسول اللہ عزوجل و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اتنے عظیم لشکر کے ساتھ مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے تو آج قریش کا خاتمہ ہو جائے گا۔ چنانچہ وہ رات کے وقت رسول اللہ عزوجل و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سفید خچر پر سوار ہو کر اس ارادہ سے مکہ چلے کہ قریش کو اس خطرہ سے آگاہ کر کے انہیں آمادہ کریں کہ چل کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے معافی مانگ کر صلح کر لو ورنہ تمہاری خیر نہیں۔

(السیرۃ النبویۃ لابن ھشام، اسلام ابی سفیان بن الحارث...الخ، ص:468/469 ملخصًا)

مگر بخاری کی روایت میں ہے کہ قریش کو یہ خبر تو مل گئی تھی کہ رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ سے روانہ ہو گئے ہیں مگر انہیں یہ پتانہ تھا کہ آپ کا لشکر "مرالظہران" تک آگیا ہے۔ اس لئے ابوسفیان بن حرب اور حکیم بن حزام و بدیل بن ورقاء اس تلاش و جستجو میں نکلے تھے کہ رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا لشکر کہاں ہے؟ جب یہ تینوں "مرالظہران" کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ میلوں تک آگ ہی آگ جل رہی ہے یہ منظر دیکھ کر یہ تینوں حیران رہ گئے اور ابوسفیان بن حرب نے کہا کہ میں نے تو زندگی میں کبھی اتنی دور تک پھیلی ہوئی آگ اس میدان میں جلتے ہوئے نہیں دیکھی۔ آخر یہ کون سا قبیلہ ہے؟ بدیل بن ورقاء نے کہا کہ بنی عمرو معلوم ہوتے ہیں۔ ابوسفیان نے کہا کہ نہیں بنی عمرو اتنی کثیر تعداد میں کہاں ہیں جو ان کی آگ سے "مرالظہران" کا پورا میدان بھر جائے گا۔

(صحیح البخاری، کتاب المغازی ، باب این رکز النبی صلی اللہ علیہ وسلم...الخ،
الحدیث:4280)

بہر حال حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ان تینوں سے ملاقات ہوگئی اور ابوسفیان نے پوچھا کہ اے عباس! تم کہاں سے آرہے ہو؟ اور یہ آگ کیسی ہے؟ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لشکر کی آگ ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابوسفیان بن حرب سے کہا کہ تم میرے خچر پر پیچھے سوار ہو جاؤ ورنہ اگر مسلمانوں نے تمہیں دیکھ لیا تو ابھی تم کو قتل کر ڈالیں گے۔ جب یہ لوگ لشکر گاہ میں پہنچے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے چند مسلمانوں نے جو لشکر گاہ کا پہرہ دے رہے تھے۔ ابوسفیان کو دیکھ لیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے جذبہ انتقام کو ضبط نہ کر سکے اور ابوسفیان کو دیکھتے ہی ان کی زبان سے نکلا کہ "ارے یہ تو خدا کا دشمن ابوسفیان

ہے۔" دوڑتے ہوئے بارگاہ رسالت میں پہنچے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ!(عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)ابوسفیان ہاتھ آگیا ہے۔ اگر اجازت ہو تو ابھی اس کا سر اڑا دوں۔ اتنے میں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان تینوں مشرکوں کو ساتھ لئے ہوئے دربار رسول میں حاضر ہوگئے اور ان لوگوں کی جان بخشی کی سفارش پیش کر دی اور یہ کہا کہ یارسول اللہ!(عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میں نے ان سبھوں کو امان دے دی ہے۔

(مدارج النبوت، قسم سوم، باب ہفتم، فتح مکہ، ج:2، ص:281/282)

ابوسفیان کا اسلام:

ابوسفیان بن حرب کی اسلام دشمنی کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں تھی۔ مکہ میں رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سخت سے سخت ایذائیں دینی، مدینہ پر بار بار حملہ کرنا، قبائل عرب کو اشتعال دلا کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قتل کی بارہا سازشیں، یہودیوں اور

تمام کفار عرب سے ساز باز کر کے اسلام اور بانی اسلام کے خاتمہ کی کوششیں یہ وہ ناقابل معافی جرائم تھے جو پکار پکار کر کہہ رہے تھے کہ ابوسفیان کا قتل بالکل درست و جائز اور بر محل ہے۔ لیکن رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جن کو قرآن نے "رءوف ورحیم" کے لقب سے یاد کیا ہے۔ ان کی رحمت چمکار چمکار کر ابوسفیان کے کان میں کہہ رہی تھی کہ اے مجرم! مت ڈر۔ یہ دنیا کے سلاطین کا دربار نہیں ہے بلکہ یہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ رحمت ہے۔ بخاری شریف کی روایت تو یہی ہے کہ ابوسفیان بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے تو فوراً ہی اسلام قبول کر لیا۔ اس لئے جان بچ گئی۔

(صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب این رکز النبی صلی اللہ علیہ وسلم... الخ، الحدیث:4280)

مگر ایک روایت یہ بھی ہے کہ حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء نے تو فوراً رات ہی میں اسلام قبول کر لیا مگر ابوسفیان نے صبح کو کلمہ پڑھا۔

(شرح الزرقانی علی المواهب، باب غزوة الفتح الاعظم، ج:3، ص:405)

اور بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ ابوسفیان اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے درمیان ایک مکالمہ ہوا اس کے بعد ابوسفیان نے اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ وہ مکالمہ یہ ہے:

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: کیوں اے ابوسفیان! کیا اب بھی تمہیں یقین نہ آیا کہ خدا ایک ہے؟

ابوسفیان: کیوں نہیں کوئی اور خدا ہوتا تو آج ہمارے کام آتا۔

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: کیا اس میں تمہیں کوئی شک ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟

ابوسفیان: ہاں! اس میں تو ابھی مجھے کچھ شبہ ہے۔

مگر پھر اس کے بعد انہوں نے کلمہ پڑھ لیا اور اس وقت گو ان کا ایمان متزلزل تھا لیکن بعد میں بالآخر وہ سچے مسلمان بن گئے۔ چنانچہ غزوہ طائف میں مسلمانوں کی فوج میں شامل ہو کر

انہوں نے کفار سے جنگ کی اور اسی میں ان کی ایک آنکھ زخمی ہو گئی۔ پھر یہ جنگ یرموک میں بھی جہاد کے لئے گئے۔

(سیرت ابن ہشام، ج:3، ص:403)

نبی کریم ﷺ کا مکہ مکرمہ میں دخول:

غرض فاتحانہ شان و شوکت کے ساتھ بانی کعبہ کے جانشین حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے سرزمین مکہ میں دخول فرمایا اور حکم دیا کہ میرا جھنڈا مقام "حجون" (جنۃ المعلیٰ) کے پاس گاڑا جائے اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے نام فرمان جاری کردیا کہ وہ فوجوں کے ساتھ مکہ کے بالائی حصہ یعنی "کدا" کی طرف سے مکہ میں داخل ہوں۔

(بخاری شریف، کتاب المغازی، باب این رکزالنبی صلی اللہ علیہ وسلم...الخ، الحدیث:4280)

رسول اللہ ﷺ کا اعلان:

تاجدارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کی سرزمین میں قدم رکھتے ہی جو پہلا فرمان جاری فرمایا: وہ یہ اعلان تھا کہ جس کے لفظ لفظ میں رحمتوں کے دریاموجیں ماررہے ہیں:

جو شخص ہتھیار ڈال دے گا اُس کے لئے امان ہے۔ جو شخص اپنا دروازہ بند کر لے گا اُس کے لئے امان ہے جو کعبہ میں داخل ہوجائے گا اس کے لئے امان ہے۔

اس موقع پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ابوسفیان ایک فخر پسند آدمی ہے اس کے لئے کوئی ایسی امتیازی بات فرمادیجئے کہ اس کا سر فخر سے اونچا ہوجائے تو آپ نے فرمایا کہ جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوجائے اس کے لئے امان ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب فاتحانہ حیثیت سے مکہ میں داخل ہونے لگے تو آپ اپنی اونٹنی "قصواء" پر سوار تھے اور آپ ایک سیاہ رنگ کا عمامہ باندھے ہوئے تھے۔ اور بخاری میں ہے کہ

آپ کے سر پر "مغفر" تھا۔ آپ کے ایک جانب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دوسری جانب اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ تھے اور آپ کے چاروں طرف جوش میں بھرا ہوا ہتھیاروں میں ڈوبا ہوا لشکر تھا جس کے درمیان کوکبہ نبوی تھا۔ اس شاہانہ جلوس کے جاہ و جلال کے باوجود شہنشاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تواضع کا یہ عالم تھا کہ آپ سورہ فتح کی تلاوت فرماتے ہوئے اس طرح سر جھکائے ہوئے اونٹنی پر بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ کا سر اونٹنی کے پالان سے لگ لگ جاتا تھا۔ آپ کی یہ کیفیت تواضع خداوندِ قدوس کا شکر ادا کرنے اور اس کی بارگاہِ عظمت میں اپنی عجز و نیاز مندی کا اظہار کرنے کے لئے تھی۔ (زرقانی، ج:2، ص:320 / 321)

بیت اللہ میں تشریف آوری:

پھر آپ اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر اور حضرت اسامہ بن زید کو اونٹنی کے پیچھے بٹھا کر مسجد حرام کی طرف روانہ ہوئے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان بن طلحہ حجبی رضی اللہ عنہ کعبہ

کے کلید بردار بھی آپ کے ساتھ تھے۔ آپ نے مسجد حرام میں اپنی اونٹنی کو بٹھایا اور کعبہ کا طواف کیا اور حجرِ اسود کو بوسہ دیا۔

(بخاری شریف، کتاب المغازی، باب دخول النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اعلیٰ مکۃ، الحدیث:4289)

حق آگیا اور باطل مٹ گیا:

کعبہ کے اندرونِ حصار تین سو ساٹھ بتوں کی قطار تھی۔ آپ خود بہ نفس نفیس ایک چھڑی لے کر کھڑے ہوئے اور ان بتوں کو چھڑی کی نوک سے ٹھونکے مار مار کر گراتے جاتے تھے۔ اور "جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ" کی آیت تلاوت فرماتے تھے۔ یعنی حق آگیا اور باطل مٹ گیا اور باطل مٹنے ہی کی چیز تھی۔

(بخاری شریف، کتاب المغازی، باب این رکز النبی صلی اللہ علیہ وسلم الرایۃ یوم الفتح، الحدیث:4287)

پھر ان بتوں کو جو عین کعبہ کے اندر تھے آپ نے ان سب کو نکالنے کا حکم فرمایا۔ جب تمام بتوں سے کعبہ پاک ہو گیا تو آپ اپنے

ساتھ اُسامہ بن زید اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور عثمان بن طلحہ حجبی رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر خانہ کعبہ کے اندر تشریف لے گئے اور تمام گوشوں پر تکبیر پڑھی اور دو رکعت نماز بھی پڑھی۔

(بخاری، ج ۱، ص ۲۱۸ و بخاری، ج ۲، ص ۶۱۴)

کعبہ مقدسہ کے اندر سے جب آپ باہر نکلے تو حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کو بلا کر کعبہ کی کنجی ان کے ہاتھ میں عطا فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ "خُذُوْهَا خَالِدَةً تَالِدَةً لَّايَنْزَعُهَا مِنْكُمْ اِلَّا ظَالِمٌ "

(زرقانی، ج:2، ص:239)

سرورِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دربارِ عام:

اس کے بعد حرم الٰہی میں آپ نے سب سے پہلا دربار عام منعقد فرمایا جس میں افواج اسلام کے علاوہ ہزاروں کفار و مشرکین کے عوام و خواص کا ایک زبردست اژدھام تھا۔ اس دربار میں آپ نے ایک خطبہ دیا اور پھر اہل مکہ کو مخاطب کر کے آپ نے فرمایا کہ بولو، تم کو معلوم ہے کہ آج میں تم سے کیا معاملہ کرنے والا ہوں۔

اس دہشت انگیز اور خوفناک سوال سے تمام مجرمین حواس باختہ ہو کر کانپ اٹھے، لیکن جبینِ رحمت کے پیغمبرانہ تیور کو دیکھ کر سب یک زبان ہو کر بولے "اَخٌ کَرِیْمٌ وَابْنُ اَخٍ کَرِیْمٍ "یعنی آپ کرم والے بھائی اور کرم والے باپ کے بیٹے ہیں۔ یہ سن کر فاتح مکہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کریمانہ لہجے میں ارشاد فرمایا کہ:۔

"لَاتَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ فَاذْھَبُوْا اَنْتُمُ الطَّلَقَاءُ" آج تم پر کوئی ملامت نہیں۔ جاؤ تم سب آزاد ہو۔

(شرح الزرقانی، باب غزوۃ الفتح الاعظم، ج:3، ص:449)

بالکل غیر متوقع طور پر ایک دم اچانک یہ فرمانِ رحمت سن کر سب مجرموں کی آنکھیں فرطِ ندامت سے اشکبار ہو گئیں۔ اور کفار کی زبانوں پر "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" کے نعروں سے حرم کعبہ کے در و دیوار پر انوار کی بارش ہونے لگی۔ مجرموں کی نظر میں ناگہاں ایک عجیب انقلاب برپا ہو گیا کہ سماں ہی بدل گیا۔ فضا ہی پلٹ گئی۔ اور ایک دم ایسا محسوس ہونے لگا کہ

جہاں تاریک تھا ظلمت کدہ تھا سخت کالا تھا
کوئی پردے سے کیا نکلا گھر گھر اجالا تھا

بیعتِ اسلام:

اس کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کوہ صفا کی پہاڑی کے نیچے ایک بلند مقام پر بیٹھے اور لوگ جوق در جوق آکر آپ کے دست حق پرست پر اسلام کی بیعت کرنے لگے۔ مردوں کی بیعت ختم ہو چکی تو عورتوں کی باری آئی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر بیعت کرنے والی عورت سے جب وہ تمام شرائط کا اقرار کر لیتی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس سے فرما دیتے تھے کہ "قَدْ بَایَعْتُکِ" میں نے تجھ سے بیعت لے لی۔ حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ خدا کی قسم! آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھ نے بیعت کے وقت کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا۔ صرف کلام ہی سے بیعت فرما لیتے تھے۔

(صحیح البخاری، کتاب الشروط، باب مایجوز من الشروط...الخ، الحدیث:2713ملخصًا)

ہند بنتِ عتبہ اور دیگر خواتین رضی اللہ عنھن کی بیعت:

مروی ہے کہ جب سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم روزِ فتحِ مکّہ مَردوں کی بیعت لے کر فارغ ہوئے تو کوہِ صفاء پر عورتوں سے بیعت لینا شروع کیا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نیچے کھڑے ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلامِ مبارک عورتوں کو سناتے جاتے تھے، ہند بنتِ عتبہ ابوسفیان کی بیوی خوف زدہ برقع پہن کر اس طرح حاضر ہوئی کہ پہچانی نہ جائے، سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ میں تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو، ہند نے سر اٹھا کر کہا آپ ہم سے وہ عہد لیتے ہیں جو ہم نے آپ کو مَردوں سے لیتے نہیں دیکھا اور اس روز مَردوں سے صرف اسلام و جہاد پر بیعت لی گئی تھی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اور چوری نہ کریں گی، تو ہند نے عرض کیا کہ

ابو سفیان بخیل آدمی ہیں اور میں نے ان کا مال ضرور لیا ہے میں نہیں سمجھتی مجھے حلال ہوا یا نہیں، ابو سفیان حاضر تھے انہوں نے کہا جو تو نے پہلے لیا اور جو آئندہ لے سب حلال، اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تبسم فرمایا اور ارشاد کیا تو ہند بنتِ عتبہ ہے؟ عرض کیا جی ہاں جو کچھ مجھ سے قصور ہوئے ہیں معاف فرمایئے، پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا اور نہ بدکاری کریں گی، تو ہند نے کہا کیا کوئی آزاد عورت بدکاری کرتی ہے؟ پھر فرمایا نہ اپنی اولاد کو قتل کریں، ہند نے کہا ہم نے چھوٹے چھوٹے پالے جب بڑے ہوگئے تم نے انہیں قتل کر دیا تو تم جانو اور وہ جانیں اس کا لڑکا حنظلہ بن ابی سفیان بدر میں قتل کر دیا گیا تھا۔ ہند کی یہ گفتگو سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بہت ہنسی آئی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اپنے ہاتھ پاؤں کے درمیان کوئی بہتان نہ گھڑیں گی، ہند نے کہا بخدا بہتان بہت بُری چیز ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہم کو نیک باتوں اور برتر خصلتوں کا حکم دیتے ہیں، پھر حضور صلی اللہ علیہ

وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ کسی نیک بات میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نافرمانی نہ کریں گی، اس پر ہند نے کہا اس مجلس میں ہم اسلئے حاضر ہی نہیں ہوئے کہ اپنے دل میں آپ کی نافرمانی کا خیال آنے دیں، عورتوں نے ان تمام امور کا اقرار کیا اور چار سو ستاون عورتوں نے بیعت کی اس بیعت میں سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مصافحہ نہ فرمایا اور عورتوں کو دستِ مبارک چھونے نہ دیا۔ بیعت کی کیفیّت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ایک قدح پانی میں سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنا دستِ مبارک ڈالا پھر اسی میں عورتوں نے اپنے ہاتھ ڈالے، اور یہ بھی کہا گیا ہے بیعت کپڑے کے واسطے سے لی گئی اور بعید نہیں ہے کہ دونوں صورتیں عمل میں آئی ہوں۔

(تفسیرِ خازن، سورۃ الممتحنۃ، تحت الآیۃ:12 ، خزائن العرفان، سورۃ الممتحنۃ، تحت الآیۃ:12)

فتح مکہ کی تاریخ:

اس میں بڑا اختلاف یہ ہے کہ مکہ مکرمہ کون سی تاریخ میں فتح ہوا؟ امام بیہقی نے 13 رمضان، امام مسلم نے16 رمضان، امام احمد نے 18 رمضان بتایا، مگر محمد بن اسحٰق نے اپنے مشائخ کی ایک جماعت سے روایت کرتے ہوئے فرمایا کہ 20رمضان 8ھ کو مکہ فتح ہوا۔

(شرح الزرقانی، باب غزوۃ الفتح الاعظم، ج:3، ص:396/397)

چند ناقابل معافی مجرمین:

جب مکہ فتح ہو گیا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عام معافی کا اعلان فرمادیا۔ مگر چند ایسے مجرمین تھے جن کے بارے میں تاجدار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ فرمان جاری فرمادیا کہ یہ لوگ اگر اسلام نہ قبول کریں تو یہ لوگ جہاں بھی ملیں قتل کردیئے جائیں خواہ وہ غلاف کعبہ ہی میں کیوں نہ چھپے ہوں۔ ان مجرموں میں سے بعض نے تو اسلام قبول کرلیا اور بعض قتل ہوگئے ان میں سے چند کا مختصر تذکرہ تحریر کیا جاتا ہے:

(1)عبد العزیٰ بن خطل یہ مسلمان ہو گیا تھا اس کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کے جانور وصول کرنے کے لئے بھیجا اور ساتھ میں ایک دوسرے مسلمان کو بھی بھیج دیا کسی بات پر دونوں میں تکرار ہو گئی تو اس نے اس مسلمان کو قتل کر دیا اور قصاص کے ڈر سے تمام جانوروں کو لے کر مکہ بھاگ نکلا اور مرتد ہو گیا۔ فتح مکہ کے دن یہ بھی ایک نیزہ لے کر مسلمانوں سے لڑنے کے لئے گھر سے نکلا تھا۔ لیکن مسلم افواج کا جلال دیکھ کر کانپ اٹھا اور نیزہ پھینک کر بھاگا اور کعبہ کے پردوں میں چھپ گیا۔ حضرت سعید بن حریث مخزومی اور ابو برزہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے مل کر اس کو قتل کر دیا۔

(مدارج النبوت، باب ہفتم، ج:2، ص:296)

(2) حویرث بن نقید یہ شاعر تھا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہجو لکھا کرتا تھا اور خونی مجرم بھی تھا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو قتل کیا۔

(3) مقیس بن صبابہ اس کو نمیلہ بن عبداللہ نے قتل کیا۔ یہ بھی خونی تھا۔

(4) حارث بن طلاطلہ یہ بھی بڑا ہی موذی تھا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو قتل کیا۔

(5) قریبہ یہ ابن خطل کی لونڈی تھی۔ رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہجو گایا کرتی تھی یہ بھی قتل کی گئی۔

(مدارج النبوت، باب ہفتم، ج:2، ص:300/304 ملخصًا)

درسِ ہدایت:

فتح مکہ کے واقعہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلمنے اس موقع پر عفوو درگزر اور رحم و کرم کا جو اعلان و اظہار فرمایا تاریخ عالم میں کسی فاتح کی زندگی میں اس کی مثال نہیں مل سکتی۔

مسلمانو! یہ ہے ہمارے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوۂ حسنہ اور سیرت مبارکہ۔ لہٰذا ہم مسلمانوں پر لازم ہے کہ اپنے پیارے رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ اور سیرت مقدسہ پر عمل کرتے ہوئے اپنے دشمنوں سے بدلہ اور انتقام لینے کا جذبہ اپنے دل سے نکال کر اپنے دشمنوں کو درگزر کرنے اور معاف کردینے کی کوشش کریں۔ کیونکہ لوگوں کی تقصیرات اور خطاؤں کو معاف کردینا، یہ ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت بھی ہے اور یہی امت کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم بھی ہے۔ جیسا کہ حدیث مبارکہ ہیں "صِلْ مَنْ قَطَعَكَ وَاعْفُ عَمَّنْ ظَلَمَكَ وَاَحْسِنْ اِلٰی مَنْ اَسَاءَ كَ "یعنی جو تم سے تعلق کاٹے تم اس سے میل ملاپ رکھو اور جو تم پر ظلم کرے اس کو معاف کردیا کرو اور جو تمہارے ساتھ بدسلوکی کرے تم اس کے ساتھ احسان اور اچھا سلوک کرو اور قرآن مجید میں بھی عفوِ تقصیر اور دشمنوں سے درگزر کردینے والوں کے بڑے بڑے درجات و مراتب بیان کئے گئے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ "(سورۂ اٰل عمران: الآیۃ:134)

یعنی لوگوں کی خطاؤں کو معاف کر دینے والے اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے ہیں اور بڑے درجات والے ہیں۔ خداوند کریم ہر مسلمان کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوئہ حسنہ اور سیرت مبارکہ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین بجاہ نبی الامین صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہ وسلم۔